سلسلۂ اشاعت قرآن حیدرآباد دکن

۱۹۲۶

جلد ۱ ابتدائے ماہ محرم الحرام ۱۳۴۵ھ نمبر ۱

ارتقاء انسان اور قرآن

مرتبہ

ابو محمد مصلح کان اللہ لہٗ

از دفتر

قرآنی تحریک حیدرآباد دکن

چندہ سالانہ — ... روپیہ — اور پورے سٹ کی قیمت ایک روپیہ

یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدیکی طرف (جو انسان کے کمال کے مخالف اور اسکی اخلاقی حالتوں کے برعکس ہی) جُھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بدراہوں پر چلانا چاہتا ہے، غرض بے اعتدالیوں اور بدیوں کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اس پر طبعاً غالب ہوتی ہی اور یہ حالت اس وقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جب تک انسان عقل اور معرفت کے زیر سایہ نہیں چلتا بلکہ چارپایوں کی طرح کھانے پینے سونے جاگنے یا غصہ اور جوش دکھانے وغیرہ امور میں طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے طبعی حالتوں میں تصرف کرتا اور اعتدال مطلوب کی رعایت رکھتا ہی اس وقت ان حالتوں کا نام طبعی حالتیں نہیں رہتا بلکہ اس وقت یہ حالتیں اخلاقی حالتیں کہلاتی ہیں جیسا کہ آگے بھی کچھ اس کا ذکر آئیگا۔

دوسرا چشمہ جو اخلاقی حالتوں کا مصدر ہے اس کا نام قرآن شریف میں نفس لوامہ ہی جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ وَلَآ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ یعنے میں اس نفس کی

قسم کھاتا ہوں جو بدی کے کام اور ہر ایک بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے یہ نفس لوّامہ انسانی حالتوں کا دوسرا سرچشمہ ہے جس سے اخلاقی حالتیں پیدا ہوتی ہیں اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت سے نجات پاتا ہے، اس جگہ نفس لوّامہ کی قسم کھانا اسکو عزّت دینے کے لیے ہے گویا وہ نفس امّارہ سے نفس لوّامہ بنکر بوجہ اس ترقی کے جنابِ الٰہی میں عزّت پانے کے لائق ہوگیا اور اس کا نام لوّامہ اس لیے رکھا کہ وہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے اور اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ انسان اپنے طبعی لوازم میں شتر بے مہار کی طرح چلے اور چارپایوں کی زندگی بسر کرے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے اچھی حالتیں اور اچھے اخلاق صادر ہوں اور انسانی زندگی کے تمام لوازم میں کوئی بے اعتدالی ظہور میں نہ آوے اور طبعی جذبات اور طبعی خواہشیں عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہوں چونکہ وہ بُری حرکت پر ملامت کرتا ہے اسلئے اس کا نام نفس لوّامہ ہے یعنی بہت ملامت کرنے والا اور نفس لوّامہ اگرچہ طبعی جذبات کا پابند نہیں رہتا بلکہ اپنے تئیں ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیوں کے بجا لانے پر پورے طور سے قادر بھی نہیں ہوسکتا اور کبھی کبھی

طبعی جذبات اس پر غلبہ کر جاتے ہیں تب گر جاتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے جو گرنا نہیں چاہتا ہے مگر کمزوری کی وجہ سے گرتا ہے پھر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا ہے غرض یہ نفس کی وہ اخلاقی حالت ہے جب نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے مگر پورے طور پر غالب نہیں آسکتا۔

تیسرا سرچشمہ جس کو روحانی حالتوں کا منبع کہنا چاہیے اس کا نام قرآن شریف نے نفس مطمئنہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے یَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝ یعنی اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پا گیا، اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ۔ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی، پس میرے بندوں میں مل جا اور میری بہشت کے اندر آجا" یہ وہ مرتبہ ہے جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پا کر روحانی قوتوں سے بھر جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے ایسا پیوند کر لیتا ہے کہ بغیر اسکے جی بھی نہیں سکتا اور جس طرح پانی اوپر سے نیچے کی طرف بہتا اور بہ سبب

اپنی کثرت اور نیز رکاوٹوں کے دور ہو جانے سے بڑے زور سے
چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے اسی کی طرف
اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے وہ نفس جو خدا سے
آرام پا گیا اسکی طرف واپس چلا آ، پس وہ اسی زندگی میں
نہ موت کے بعد ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اسی دنیا
میں نہ دوسری جگہ ایک بہشت اسکو ملتی ہے اور جیسا کہ اس
آیت میں لکھا ہے کہ تو اپنے رب کی طرف (یعنے پرورش کرنیوالے
کی طرف) واپس آ ایسا ہی اس وقت یہ خدا سے پرورش
پاتا ہے اور خدا کی محبت اسکی غذا ہوتی ہے اور اسی زندگی
بخش چشمے سے پانی پیتا ہے اس لیے موت سے نجات پاتا ہے
جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے
قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ یعنے
جس نے ارضی جذبات سے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بچ گیا اور
نہیں ہلاک ہوگا مگر جس نے ارضی جذبات میں جو طبعی جذبات
ہیں اپنے تئیں چھپا دیا وہ زندگی سے ناامید ہو گیا۔"

غرض یہ تین حالتیں ہیں جنکو دوسرے لفظوں میں طبعی اور اخلاقی اور روحانی حالتیں کہہ سکتے ہیں اور چونکہ طبعی تقاضے افراط کے وقت بہت خطرناک ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات اخلاق اور روحانیات کا ستیاناس کر دیتے ہیں اس لیئے خدائے تعالیٰ کی پاک کتاب میں انکو نفس امّارہ کی حالتوں سے موسوم کیا گیا اگر یہ سوال ہو کہ انسان کی طبعی حالتوں پر قرآن شریف کا کیا اثر ہے اور وہ انکی نسبت کیا ہدایت دیتا ہے اور عملی طور پر کس حد تک انکو رکھنا چاہتا ہے۔ تو واضح ہو کہ قرآن شریف کی رو سے انسان کی طبعی حالتونکو اسکی اخلاقی اور روحانی حالتوں سے نہایت ہی شدید تعلقات واقع ہیں۔ یہانتک کہ انسان کے کھانے پینے کے طریقے بھی انسان کی اخلاقی و روحانی حالتوں پر اثر کرتے ہیں اور اگر ان طبعی حالتوں سے شریعت کی ہدایتوں کے موافق کام لیا جائے تو جیسا کہ نمک کی کان میں پڑ کر ہر ایک چیز نمک ہی ہو جاتی ہے ایسے ہی یہ تمام حالتیں اخلاقی ہی ہو جاتی ہیں اور روحانیت پر

نہایت گہرا اثر کرتی ہیں اسی واسطے قرآن شریف نے تمام عبادات اور اندرونی پاکیزگی کے اغراض اور خشوع و خضوع کے مقاصد میں جسمانی طہارتوں اور جسمانی آداب اور جسمانی تعدیل کو بہت ملحوظ رکھا ہے اور غور کرنے کے وقت یہی فلاسفی نہایت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی اوضاع کا روح پر بہت قوی اثر ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے طبعی افعال گو بظاہر جسمانی ہیں مگر ہماری روحانی حالتوں پر ضرور انکا اثر ہے۔ مثلاً جب ہماری آنکھیں رونا شروع کریں اور گو تکلف سے ہی روئیں مگر فی الفور ان آنسوؤں کا ایک شعلہ اٹھکر دل پر جا پڑتا ہے تب دل بھی آنکھوں کی پیروی کرکے غمگین ہو جاتا ہے ایسا ہی جب ہم تکلف سے ہنسنا شروع کریں تو دل میں بھی ایک انبساط پیدا ہو جاتا ہے یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جسمانی سجدہ بھی روح میں خشوع اور عاجزی کی حالت پیدا کرتا ہے اسکے مقابل پر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب ہم گردن کو اونچا کھینچکر اور چھاتی کو ابھار کر چلیں تو یہ وضع رفتار ہم میں ایک قسم کا تکبر اور خود بینی پیدا کرتی ہے تو

ان نمونوں سے پورے انکشاف کے ساتھ کھل جاتا ہے کہ بیشک جسمانی اوضاع کا روحانی حالتوں پر اثر ہے ایسا ہی تجربہ ہم پر ظاہر کرتا ہے کہ طرح طرح کی غذاؤں کا بھی دماغی اور دلی قوتوں پر ضرور اثر ہے مثلاً ذرہ غور سے دیکھنا چاہیے کہ جو لوگ کبھی گوشت نہیں کھاتے رفتہ رفتہ انکی شجاعت کی قوت کم ہوتی جاتی ہے یہانتک کہ نہایت دل کے کمزور ہو جاتے ہیں اور ایک خداداد اور قابل تعریف قوّت کو کھو بیٹھتے ہیں۔ اسکی شہادت خدا کے قانون قدرت سے اس طرح پر بھی ملتی ہے کہ چارپایوں میں سے جس قدر گھاس خور جانور ہیں کوئی بھی ان میں سے وہ شجاعت نہیں رکھتا جو ایک گوشت خوار جانور رکھتا ہے، پرندوں میں بھی یہی بات مشاہدہ ہوتی ہے، پس اس میں کیا شک ہے کہ اخلاق پر غذاؤں کا اثر ہے ہاں جو لوگ دن رات گوشت خوری پر زور دیتے ہیں اور نباتی غذاؤں سے بہت ہی کم حصّہ رکھتے ہیں وہ بھی حلم اور انکسار کے خُلق میں کم ہو جاتے ہیں اور میانہ روش کو اختیار کرنیوالے دونوں خُلق کے وارث ہوتے ہیں اسی حکمت سے خدا تعالیٰ

قرآن شریف میں فرماتا ہے کُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا۔ یعنے گوشت بھی کھاؤ اور دوسری چیزیں بھی کھاؤ مگر کسی چیز کی حد سے زیادہ کثرت نہ کرو تا اس کا اخلاقی حالت پر بد اثر نہ پڑے اور تا یہ کثرت مضر صحت بھی نہ ہو۔ اور جیسا کہ جسمانی افعال اور اعمال کا روح پر اثر پڑتا ہے ایسا ہی کبھی روح کا اثر بھی جسم پر جا پڑتا ہے۔ جس شخص کو کوئی غم پہونچے آخر وہ چشم پر آب ہو جاتا ہے اور جس کو خوشی ہو آخر وہ تبسم کرتا ہے جس قدر ہمارا کھانا پینا سونا جاگنا، حرکت کرنا، آرام کرنا، غسل کرنا وغیرہ افعال طبعیہ ہیں یہ تمام افعال ضروری ہمارے روحانی حالات پر اثر کرتے ہیں۔ ہماری جسمانی بناوٹ کا ہماری انسانیت سے بڑا تعلق ہے دماغ کے ایک مقام پر چوٹ لگنے سے یک لخت حافظہ جاتا ہے اور دوسرے مقام پر چوٹ لگنے سے ہوش و حواس رخصت ہوتے ہیں وبا کی ایک زہریلی ہوا کس قدر جلد جسم میں اثر کرکے پھر دل پر اثر کرتی ہے اور دیکھتے دیکھتے وہ اندرونی سلسلہ جسکے ساتھ تمام نظام اخلاق کا ہی درہم برہم ہونے لگتا ہے یہانتک کہ

انسان دیوانہ سا ہوکر چند منٹ میں گزر جاتا ہی غرض جسمانی صدمات بھی عجیب نظارہ دکھاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روح اور جسم کا ایک ایسا تعلق ہے کہ اس راز کو کھولنا انسان کا کام نہیں اس سے زیادہ اس تعلق کے ثبوت پر یہ دلیل ہو کہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کی ماں جسم ہی ہے حاملہ عورتوں کے پیٹ میں روح کبھی اوپر سے نہیں گرتی بلکہ وہ ایک نور ہے جو نطفہ میں ہی پوشیدہ طور پر مخفی ہوتا ہے اور جسم کی نشوونما کے ساتھ چمکتا جاتا ہے خدائے تعالیٰ کا پاک کلام ہمیں سمجھاتا ہو کہ روح اس قالب میں سے ہی ظہور پذیر ہو جاتی ہے جو نطفہ سے رحم میں طیار ہوتا ہے جیسا کہ وہ قرآن شریف میں فرماتا ہے ثُمَّ اَنْشَانٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ یعنے پھر ہم اس جسم کو جو رحم میں طیار ہوا تھا ایک اور پیدائش کے رنگ میں لاتے ہیں اور ایک اور خلقت اسکی ظاہر کرتے ہیں جو روح کے نام سے موسوم ہے اور خدا بہت برکتوں والا ہے اور ایسا خالق ہو کہ کوئی اسکے برابر نہیں"۔

اور یہ جو فرمایا کہ ہم اسی جسم میں سے ایک اور پیدائش ظاہر کرتے ہیں یہ ایک گہرا راز ہے جو روح کی حقیقت کو دکھا رہا ہے اور اُن نہایت مستحکم تعلقات کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو روح اور جسم کے درمیان واقع ہیں اور یہ اشارہ ہمیں اس بات کی بھی تعلیم دیتا ہے کہ انسان کے جسمانی اعمال اور اقوال اور تمام طبعی افعال جب خدا تعالےٰ کے لیے اور اسکی راہ میں ظاہر ہونے شروع ہوں تو ان سے بھی یہی الٰہی فلاسفی متعلق ہے یعنے ان مخلصانہ اعمال میں بھی ابتداءہی سے ایک روح مخفی ہوتی ہے جیسا کہ نطفہ میں مخفی تھی اور جیسے جیسے ان اعمال کا قالب طیار ہوتا ہے وہ روح چمکتی جاتی ہے اور جب وہ قالب پورا طیار ہو چکتا ہے تو ایک دفعہ وہ روح اپنی کامل تجلّی کے ساتھ چمک اٹھتی ہے اور اپنی روحی حیثیت سے اپنے وجود کو دکھا دیتی ہے اور زندگی کی صریح حرکت شروع ہو جاتی ہے، جب ہی کہ اعمال کا پورا قالب طیار ہو جاتا ہے معاً بجلی کیطرح ایک چیز اندر سے اپنی کھلی کھلی چمک دکھانا شروع کر دیتی ہے یہ وہی زمانہ ہوتا ہے جسکی نسبت اللہ تعالےٰ

قرآن شریف میں مثالی طور سے فرماتا ہے فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ
وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ یعنے میں نے
اس کا قالب بنالیا اور تجلیات کے تمام مظاہر درست کرلیے
اور اپنی رُوح اس میں پھونکدی تو تم سب لوگ اسکے لیے زمین پر
سجدہ کرتے ہوئے گرجاؤ سو اس آیت میں یہی اشارہ ہے کہ جب
اعمال کا پورا قالب تیار ہوجاتا ہے تو اس قالب میں وہ روح
چمک اٹھتی ہے جسکو خدا تعالیٰ اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے
کیونکہ دنیوی زندگی کی فنا کے بعد وہ قالب طیار ہوتا ہے اس لیے
الٰہی روشنی جو پہلے دھیمی تھی ایکدفعہ بھڑک اٹھتی ہے اور واجب
ہوتا ہے کہ خدا کی ایسی شان کو دیکھ کر ہر ایک سجدہ کرے اور
اسکی طرف کھینچا جائے سو ہر ایک اس نور کو دیکھ کر سجدہ کرتا ہے
اور طبعاً اس طرف آتا ہے بجز ابلیس کے جو تاریکی سے دوستی رکھتا
ہے پھر میں پہلی بات کی طرف رجوع کرکے بیان کرتا ہوں
یہ بات نہایت درست اور صحیح ہے کہ روح ایک لطیف نور ہے
جو اس جسم کے اندر ہی سے پیدا ہوجاتا ہے جو رحم میں پرورش پاتا ہے

پیدا ہونے سے یہ مراد ہے کہ اول مخفی اور غیر محسوس ہوتا ہے پھر نمایاں ہو جاتا ہے اور ابتدائی اس کا خمیر نطفہ میں موجود ہوتا ہے بیشک وہ آسمانی خدا کے ارادہ سے اور اس کے اِذن اور مشیّت سے ایک مجہول الکنہ علاقہ کے ساتھ نطفہ سے تعلق رکھتا ہے اور نطفہ کا وہ روشن اور نورانی جوہر ہے، نہیں کہہ سکتے کہ وہ نطفہ کی ایسی چیز ہے جیسا کہ جسم جسم کا جزو ہوتا ہے مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ باہر سے آتا ہے یا زمین پر گر کر نطفہ کے مادّہ سے آمیزش پاتا ہے بلکہ وہ ایسا نطفہ میں مخفی ہوتا ہے جیسا کہ آگ پتھر کے اندر ہوتی ہے خدا کی کتاب کا یہ منشاء نہیں ہے کہ روح الگ طور پر آسمان سے نازل ہوتی ہے یا فضا سے زمین پر گرتی ہے اور پھر کسی اتفاق سے نطفہ کے ساتھ ملکر رحم کے اندر چلی جاتی ہے بلکہ یہ خیال کسی طرح صحیح نہیں ٹھہر سکتا اگر ہم ایسا خیال کریں تو قانون قدرت ہمیں باطل پر ٹھہراتا ہے ہم روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ گندے اور باسی کھانوں میں اور گندے زخموں میں ہزارہا کیڑے پڑ جاتے ہیں میلے کپڑوں میں صدہا جوئیں پڑ جاتی ہیں

انسان کے پیٹ کے اندر بھی کدو دانے وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں اب کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ باہر سے آتے ہیں یا آسمان سے اترتے کسی کو دکھائی دیتے ہیں؟ سو صحیح یہی بات ہے کہ روح جسم میں سے ہی نکلتی ہے اور اسی دلیل سے اس کا مخلوق ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ اب اس وقت ہمارا مطلب اس بیان سے یہ ہے کہ جس قادر مطلق نے روح کو قدرت کاملہ کے ساتھ جسم میں سے ہی نکالا ہے اس کا یہی ارادہ معلوم ہوتا ہے کہ روح کی دوسری پیدائش کو بھی جسم ہی کے ذریعہ سے ظہور میں لاوے روح کی حرکتیں ہمارے جسم کی حرکتوں پر موقوف ہیں جس طرف ہم جسم کو کھینچتے ہیں روح بھی بالضرور پیچھے پیچھے کھینچی چلی آتی ہے اس لیئے انسان کی طبعی حالتوں کی طرف متوجہ ہونا خدا تعالیٰ کی سچی کتاب کا کام ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انسان کی طبعی حالتوں کی اصلاح کے لیئے بہت توجہ فرمائی ہے اور انسان کا ہنسنا، رونا، کھانا، پینا، پہننا، سونا، بولنا، چپ رہنا، بیوی کرنا، مجرد رہنا، چلنا، ٹھہرنا اور ظاہری پاکیزگی غسل وغیرہ کی

شرائط بجالانا اور بیماری کی حالت اور صحت کی حالت میں خاص خاص امور کا پابند ہونا ان سب باتوں پر ہدایتیں لکھی ہیں اور انسان کی جسمانی حالتوں کو روحانی حالتوں پر بہت ہی موثر قرار دیا ہے اگر ان ہدایتوں کو تفصیل سے لکھا جائے تو میں خیال نہیں کر سکتا کہ اس مضمون کے مکمل کرنے کے لئے کوئی کافی وقت مل سکے۔

میں جب خدا کے پاک کلام پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کیونکر اس نے اپنی تعلیموں میں انسان کو اسکی طبعی حالتوں کی اصلاح کے قواعد عطا فرما کر پھر آہستہ آہستہ اوپر کیطرف کھینچا ہے اور اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت تک پہونچانا چاہا ہے تو مجھے یہ پُر معرفت قاعدہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اوّل خدا نے یہ چاہا ہے کہ انسان کو نشست و برخاست اور کھانے پینے اور بات چیت اور تمام اقسام معاشرت کے طریق سکھا کر اُس کو وحشیانہ طریقوں سے نجات دے اور حیوانات کی مشابہت سے تمیز کُلّی بخشکر ایک ادنیٰ درجہ کی اخلاقی حالت جس کو ادب اور شائستگی

کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں سکھائے پھر انسان کی نیچرل (فطری) عادات کو جنکو دوسرے لفظوں میں اخلاق رزیلہ کہہ سکتے ہیں اعتدال پر لائے تاکہ وہ اعتدال پاکر اخلاق فاضلہ کے رنگ میں آجائیں مگر یہ دونوں طریقے دراصل ایک ہی ہیں کیونکہ طبعی حالتوں کے متعلق ہیں صرف ادنیٰ اور اعلیٰ درجہ کے فرق نے انکو دو قسم بنا دیا ہے اور اس حکیم مطلق نے اخلاق کے نظام کو ایسے طور سے پیش کیا ہے کہ جس سے انسان ادنیٰ خلق سے اعلیٰ خلق تک ترقی کر سکے ۔

